منافقت کیا ہے
محمد ارشاد علی
مولوی عالم (نظامیہ)

جملہ حقوق اشاعت بحق مؤلف محفوظ

تفصیلات طباعت

نام کتاب	منافقت کیا ہے
مؤلف	محمد ارشاد علی مولوی عالم (نظامیہ)
صفحات	۳۴
اشاعت	مارچ ۲۰۲۲
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

مزید موضوعات

http://archive.org/details/@islahi_tohfa

تنبیہ

اس کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ دستاویز ایک آن لائن کتاب ہے، اس کتاب کو خصوصی طور پر انٹرنیٹ کے ذریعہ مفت فراہم کرنے کے لئے فارمیٹ اور ڈیزائن کیا گیا ہے۔اس کتاب کو اسی شکل میں بغیر کسی تبدیلی کے،اس کی تقسیم، طباعت، فوٹو کاپی اور الیکٹرونک ذرائع کے ذریعہ اس کی تقسیم اور اس کے مواد کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے۔اس شرط کے ساتھ کہ اس سے مالی طور پر نفع حاصل نہ کی جائے۔

ترتیب

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

منافقت کیا ہے

کھلی اسلام دشمنی کرنے والا کافر کہلاتا ہے۔ اگر اسلام دشمنی کو دل میں لیکر لوگوں کو قریب کرنے کی خاطر اوپر سے اپنے اسلام کا اظہار کرتا رہے تو اس کو منافق کہتے ہیں۔ منافقت کی ایک تیسری قسم ہے جس کی وضاحت یہاں مطلوب اور پیش نظر ہے یعنی ایسا شخص جو نہ کافر ہے اور نہ اسلام دشمن بلکہ اس کے برعکس مؤمن ہے اور اسلام دوست بھی ہے یعنی مؤمن جس میں صحیح ایمانی کیفیت نہ ہونے سے بعض بُری خصلتیں اِس میں آجاتی ہیں جن کا راست تعلق اور مناسبت منافقت سے ہے۔ بالفاظ دیگر منافق وہ ہے جس کے قلبی اعتقادات اور جذبات اپنے وضع کردہ تصوّر حیات کے تابع ہوں مگر اس کی زندگی کے روز و شب معاملات، کاروبار وغیرہ مصلحتاً شرع کی مطابقت اور موافقت کئے ہوئے ہوں۔ ایسا موقف دن رات فکر اور عمل کے تضاد میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کو منافقت کہتے ہیں۔ گویا ظاہری اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ دل میں ایمان کا نہ ہونا نفاق ہے۔ مجموعی طور پر منافقین کا ذکر قرآن میں ۶۰ مرتبہ آیا ہے اور قرآن مجید میں ۱۷ مقامات پر منافق کے خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) زمین میں اصلاح کے بجائے فساد پیدا کرنا۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ﴾ [البقرة: ۱۱]

(۲) خدا کے احکامات پر چلنے کو بیوقوفی سمجھنا اور چلنے والے کو بیوقوف۔

﴿قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ﴾ [البقرة: ۱۳]

(۳) مذہب اسلام کے دشمنوں کے ساتھ تال میل رکھنا۔

﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ﴾ [البقرة: ١٤]

(۴) نام اسلام کا لینا کام غیر اسلامی کرنا۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا﴾ [النساء: ٦١]

(۵) اسلامی فرائض کو انجام دینا مگر خالص اللہ کیلئے نہیں بلکہ دوسروں کو دکھانے کیلئے اسلامی فرائض کو انجام دیتے ہیں۔

﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [النساء: ۱۴۲]

(۶) اسلام اور غیر اسلام کے درمیان مذبذب رہنا۔

﴿مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ﴾ [النساء: ۱۴۳]

(۷) منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہونگے۔

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ [النساء: ۱۴۵]

(۸) منافقین تردد (شک) کی بناء پر اپنا ٹھکانہ دوزخ میں پائیں گے۔

﴿فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ [الحدید: ۱۵]

(۹) زبان سے خوب اسلام کا اظہار لیکن دل میں اسکے برعکس یعنی اسلام کا نہ ہونا۔

﴿وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ﴾ [المنافقون: ۱]

(۱۰) باوجود ظاہری دنیوی کامیابیوں کے منافق کو حقیقی سکون اور چین کا نہ ملنا۔

﴿ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾[المنافقون: ۴]

(۱۱) اسلام اگر مالی اور جانی قربانیوں کا تقاضہ کرے تو عذرات پیش کر کے اس سے الگ ہو جانا

﴿قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ﴾[آل عمران: ۱۶۷]

(۱۲) سچے اہل ایمان کو دوست بنانے کے بجائے ریاکاروں کو دوست بنانا۔

﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ ﴾ [التوبۃ: ۶۷]

(۱۳) اللہ کی راہ میں دولت خرچ کرنے میں بخالت رکھانا۔

﴿فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ﴾[التوبۃ: ۷۶]

(۱۴) دین کی راہ میں معاشرہ کے ڈر سے خرچ کرنا نہ کہ اللہ کے خوف سے۔

﴿وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ﴾[التوبۃ: ۹۸]

(۱۵) دنیوی تکالیف سے خوف کھانا اور خدا کے عذابوں سے نہ ڈرنا۔

﴿ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ﴾ [العنکبوت: ۱۰]

(۱۶) اللہ کی مدد کا یقین نہ ہونا اور اپنی تدبیروں پر زیادہ بھروسہ کرنا۔

﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾[الفتح: ۶]

(۱۷) اپنے ساتھیوں سے مدد کے جھوٹے وعدے کرنا۔

﴿وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ [الحشر: ۱۱]

حدیث: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چار جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں میں سے ایک خصلت ہو تو اس کا حال یہ ہے کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے اور وہ اُسی حال میں رہے گا جب تک کہ اس عادت کو نہ چھوڑے۔ وہ چاروں عادتیں یہ ہیں۔

(۱) کہ جب اس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(۲) جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳) جب عہد معاہدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔

(۴) جب کسی سے جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے۔

مذکورہ حدیث کی تشریح میں مولانا منظور نعمانی رحمت اللہ علیہ نے فرماتے ہیں کہ انسان کا اصلی اور حقیقی نفاق یہ ہے کہ وہ اسلام کو دل سے قبول نہ کرے بلکہ دل سے اس کا مخالف اور منکر ہو لیکن کسی وجہ سے وہ اپنے کو مؤمن و مسلم ظاہر کرتا ہو جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عبد اللہ بن ابی کا حال تھا۔ یہ انسان کی بدترین حالت کا نام ہے اور یہ نفاق دراصل ذلیل ترین قسم کا کفر ہے ایسے ہی لوگ دوزخ کے دَرْکِ اَسْفَل (دوزخ کا سب سے نیچے کا طبقہ) میں رہیں گے۔ لیکن بعض بُری عادتیں اور بد خصلتیں بھی ایسی ہیں کہ ان کا مؤمن میں ہونا ایمان کی ضد ہے۔ حق کا اعتراف نہ کرنا، گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا اور توحید کے ساتھ شرک ملانا، ایمان کے نقصانات ہیں۔ حدیث کی روشنی میں اگر کسی مسلمان میں

ان میں سے کوئی عادت ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں منافقانہ عادت ہے اور اگر کسی مسلمان میں وہ چاروں عادتیں جمع ہو گئیں ہیں تو وہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے۔

الغرض نفاق کی دو بڑی قسمیں اور کئی درجات ہیں۔

(۱) ایمان اور عقیدے کا نفاق :- ایمان اور عقیدے کا نفاق کفر کی بدترین قسم ہے

(۲) سیرت کا نفاق:- اس کے بعد سیرت کا نفاق ہے کہ آدمی منافقوں والی سیرت رکھے، بُری خصلتوں اور بُری عادتوں والی سیرت رکھے۔

یہی نفاق کی دو بڑی قسمیں ہیں جو زمانے رسالت میں تھیں۔ زمانے رسالت کے بعد نفاق کی پہلی صورت یعنی ایمان اور عقیدے والے نفاق کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا کیونکہ بہ بذریعہ وحی آپ ﷺ کو دلوں کے مخفی حالات، خیالات اور اعتقادات کی اطلاع دیدی جاتی تھی۔ اب رہ گئی نفاق کی دوسری صورت یعنی سیرت والا نفاق اس کو جاننے کے لئے وحی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ عزو جل نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں منافق کے اخلاقی اور اعمالی پہلوؤں کو خوب واضح کر دیا ہے جیسا کہ اوپر کے (۱۷) مقامات پر نشان دہی کر دی گئی ہے۔ مزید تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نفاق کے علامات بتلادیئے ہیں، بہر حال اعتقادی منافق وہ ہے جو محض فتنہ انگیزی کے لئے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے اور دل میں ایمان جیسی کوئی بات نہ ہو اور عملی منافق وہ ہے جو زبان سے ایمان کا اقرار کرے لیکن حق کی خاطر قربانیاں دینے اور مصائب برداشت کرنے تیار نہ ہو، اس کے علاوہ جہالت کی رسمیں اور طریقے چھوڑنے بھی تیار نہ ہو اور اپنی بُری عادت اور خصلتیں بدلنے بھی تیار نہ ہو۔

سفر کے بعد شعور سفر نہیں آیا
تمام عمر چلا راہ پر نہیں آیا
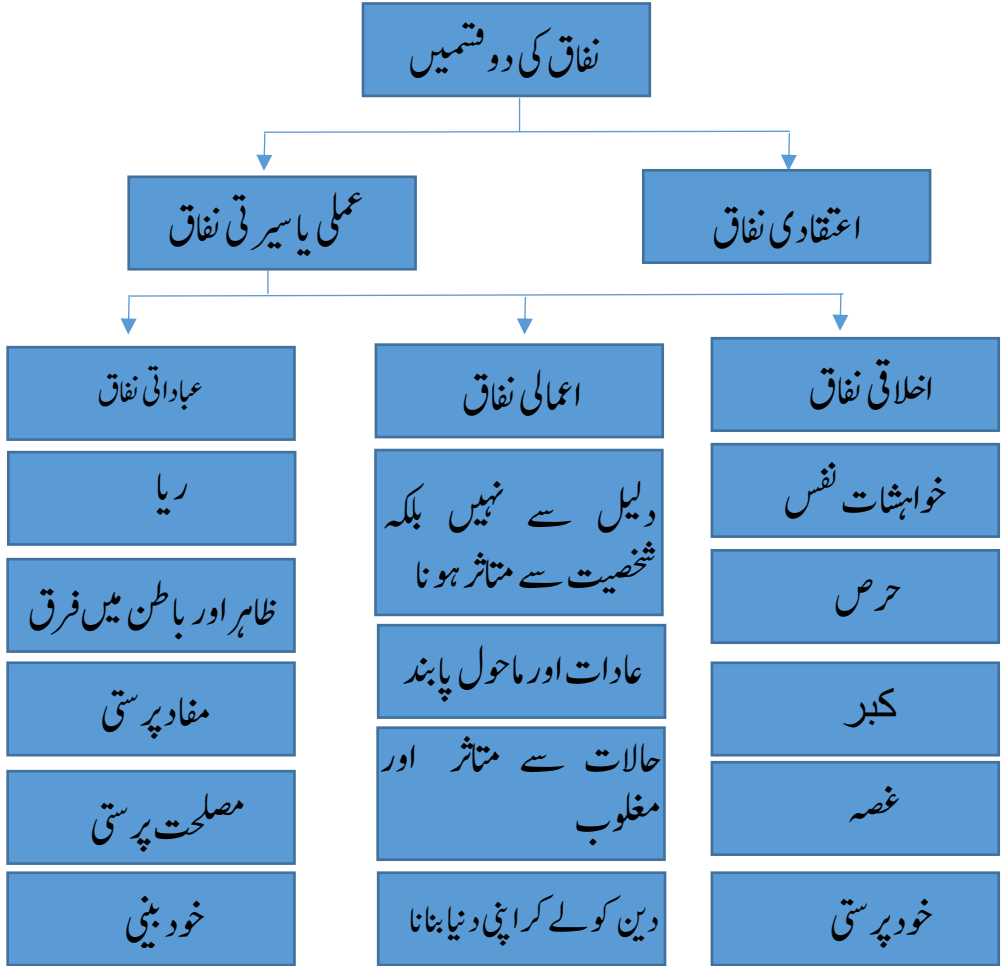
اِس کی سننا اُسے لگا دینا
کام اپنا ہے بس لڑا دینا

پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
ہے شیخ بھی مثالِ بَرہمن صنَم تراش

وعظ سننا تمام رات مگر
دن نکلتے ہی سب بھلا دینا

پوری سچائی بھی نہیں اچھی
کچھ بتا دینا کچھ چھپا دینا

امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ خَصْلتانِ لا يَجتمعانِ في مُنافقٍ : حُسْنُ سَمتٍ ، و لا فِقهٌ في الدِّينِ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی منافق میں دو صفتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک اچھا برتاؤ یعنی ایسی چال جو اللہ کو پسند آئے اور اس کے رسول ﷺ کو پسند آئے دوسرا دین کی فہم۔

منافقت اور عہد حاضر : حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ عہد رسالت میں آدمی ایک بات کہتا تھا جس کی وجہ سے وہ مرنے تک منافق ہو جاتا تھا اور میں تم سے وہی کلمہ دن میں دس مرتبہ سنتا ہوں آپ نے فرمایا کہ منافق آج اس قدر زیادہ ہیں کہ جس قدر وہ عہد رسالت میں تھے۔ لیکن اُس زمانے میں وہ اپنے نفاق کو پوشیدہ رکھتے تھے مگر اب کے لوگ اس کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ نفاق ایمان کے سچے اور ایمان کے کامل ہونے کے مخالف ہے۔ ایمان طاعتوں (submission) سے کامل ہوتا ہے اور کمال ایمان طاعتوں سے وابستہ ہے اور نفاق خلاف ایمان حالت کا نام ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت لوگ اب یوں کہتے ہیں کہ

اب نفاق نہ رہا آپ نے فرمایا کہ بھائی اگر منافقین مر جائیں تو راستوں میں تم کو وحشت ہونے لگے گی یعنی ان کی اس قدر کثرت ہے کہ ان کے نہ ہونے سے راستہ چلنے والے نہ رہیں گے اور وحشت محسوس ہو گی۔ زبان کا دل سے مختلف ہونا، باطن کا ظاہر سے مختلف ہونا، نفاق ہے اور بعض سلف سے مروی ہے کہ منافق دنیا کے کام کو آخرت کے کام پر مقدم رکھتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا میں دو زبان والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں منافقین کے زمرہ میں کر دیتا ہے۔ بہر حال آنحضرت نے منافق کی جو نشانیاں بیان فرمائی ہیں وہ ایک آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنے ایمان کی کیفیت دیکھ سکتا ہے۔

عجیب گردش دوران ہے جاگتے رہیے
نفاق تا حد امکان ہے جاگتے رہیے

منافق کی مقبولیت کا راز: سورۃ منافقوں کی چوتھی آیت میں منافقین کے بارے میں یہ بات آتی ہے کہ "جب تم منافقین کو دیکھو تو تم کو ان کے جسم اچھے لگتے ہیں اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنتے ہو" ﴿ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ﴾ (اس آیت کے بارے میں مفسرین نے یہ وضاحت کی کہ منافق حقیقتاً اُس انسان کا نام ہے جو مصلحت پرست اور زمانہ ساز ہو تا ہو۔ اس صفت کی بناء پر اُس کی دنیا درست، اُس کی زندگی خوشحال، اُس کے دنیوی معاملات سازگار، اُس کی زندگی خوشگوار اور غموں سے خالی ہوتی ہے۔ جب ان سب حالات کا اثر اس کے جسم پر پڑتا ہے تو اس کا جسم پُرکشش بن جاتا ہے۔

اس کو کبھی اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ حق کیا ہے ناحق کیا ہے، اصل کیا ہے نقل کیا ہے، مقصد حیات کیا ہے۔ کیا بقاء شخصی اور بقاء نوعی (class) ہی مقصد حیات ہے۔ کیا خوشحالی اور فارغ البالی (بے فکری) ہی مقصد حیات ہے، ان سب باتوں کو منافق بالائے طاق رکھتا ہے اور موقع کی رعایت سے بات کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی ہر بات لوگوں کو پسند آتی ہے اس کا کلام مقبول اور اس کی شخصیت مقبول، جس کی وجہ سے وہ زمانے کی سرداری بھی یعنی لیڈری بھی کرتا ہے۔ حدیث کے مفہوم میں یہ بات آتی ہے کہ قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ "ہر قبیلہ کے منافق اپنے قبیلہ کی سرداری کریں گے" منافق موقع پرست ہوتا ہے اور مؤمن خودار۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ وہی آدمی اپنے رشتہ داروں میں محمود ہوگا جو مداہن ہوگا، مداہنت کے ایک معنی یہ ہیں کہ اُس چیز کے خلاف بولنا جو دل میں ہے یعنی نفاق۔ اِس کے علاوہ مداہنت کے معنی جھوٹ بولنا، خوشامد کرنا اور سستی کرنے کے بھی آتے ہیں۔ بہر حال ہر خاندان اور قبیلے میں وہی شخص مقبول اور پسندیدہ رہتا ہے جو تنقید، تبصرے اور اصلاحی کام کو انجام نہیں دیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کے دل میں آخرت کا یقین، ایمان کی قیمت اور اللہ کا خوف رہنے کے بجائے دنیا کی اہمیت، دنیا کے حالات کی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو دنیوی درسگاہوں کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ کسی انگریز مفکر کا قول ہے

I will Speak ill of noman, and speak all the good I know of every body.

یعنی کسی بھی آدمی کی برائیوں کی اصلاح کرنے کے بجائے نظر انداز کرنا اور صرف اس کی اچھائیوں پر نظر رکھنا ایک طرف دنیوی درسگاہوں کی تعلیم کا یہ پھل ہے اور دوسری طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ «مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» - (جو کوئی تم میں سے برائی اور خلاف شرع بات دیکھے تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور اور طاقت سے) اس کو بدلئے یعنی درست کرنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں اس کو بُرا جانے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ حدیث کا مطلب صاف ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو برائی کو روکے اور اگر حالات ناموافق ہیں اور اہل دین اس قدر کمزور پوزیشن میں ہیں تو اس برائی کے خلاف زبان کھولنے کی بھی گنجائش نہیں ہے تو آخری درجہ یہ ہے کہ دل میں اس کو برا جانے اور دل میں اس کو مٹانے اور بدل ڈالنے کا جذبہ رکھے۔ دل سے تدبیر کرتے رہے اور دعا کرتے رہے۔ دوسرا درجہ جو زبان سے نصیحت کرنے کا افہام و تفہیم کی کوشش کرنا ہے۔ یہی کام عوام کا ہے اور علماء کا ہے، طاقت سے روکنے والی بات حکومت کے طرف ہی جاتی ہے۔

لوگ دوسروں کی اصلاح نہ کرنے کے کئی وجوہات ہیں: سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جس کے بارے میں تنقید کی جاتی ہے وہ نہ صرف تنقید کرنا پسند کرتا ہے بلکہ نقاد (حق و باطل کو پرکھنے والا) کو بھی حقارت سے دیکھتا ہے۔ اس پر برہم (خفا) ہوتا ہے اس لئے آدمی یہ طے کر لیتا ہے کہ وہ کسی کی خرابی کو کبھی بیان نہیں کرے گا۔ بلکہ صرف خوبیاں ہی بیان کرے گا، لوگ ایسا کرنا کو ہوشیاری، مصلحت

اور دنیا سازی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ منشاء الٰہی اس کے بر خلاف ہے۔ مداہنت (نفاق) ایک بے اصول آدمی کا کام ہے جو ہر موقع کی مناسبت سے بات کرتا ہے جس سے لوگوں کو خوشی ہو، سب کی پسند کی بات زبان سے نکلے، موافقت اور موزونیت طبائع کا سامان ہو۔ پھر اسی بات کی اس کو قیمت یہ ملتی ہے کہ وہ سب کی نظر میں پسندیدہ شخص ہو جاتا ہے۔ دنیوی تعلیم کے حامل اپنی آزادانہ طرز فکر کی بناء پر بھی ایک خود تراشیدہ روش اور ڈگر کو اپنی زندگی گزارنے کا طریقہ بنا لیتے ہیں۔ حقیقی مؤمن آدمیوں میں سب سے زیادہ مبغوض (جس سے بغض یا کینہ رکھا جائے) ہوتا ہے کیونکہ وہ اصلاح کی طرف مائل رہتا ہے، حق گوئی کا عادی ہوتا ہے۔ ایک بے اصول آدمی سب کو خوش کرنے میں خدا کو ناخوش کر دیتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے خاطر داعی اور مصلح بننا نہیں چاہتا۔ یہ ایک تاجرانہ طریقہ ہے اس طرح کے اشخاص میں وہ کردار اُبھرتے ہیں جس کو شریعت کی زبان میں منافقت کہتے ہیں۔ دل کے اندر ان لوگوں کے وہ نہیں ہوتا جو زبان پر ہوتا ہے۔ عقل ان کی ایک طرف رہنمائی کرتی ہے تو دل ان کے دوسری طرف لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ اگر وہ کسی ہاتھ کو قوت سے نہیں موڑ سکتے تو اس ہاتھ کو چوم لینا ہی مصلحت ہے۔

اپنی حِکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

یہ وہ لوگ ہیں جو دنیوی چیزوں کو ہی مقصد بنا کر جیتے ہیں۔ آج مسلمان کا بگاڑ یہ ہے کہ وہ دین کے نام پر دنیا کرنے لگا۔ دنیا پرستی کی راہ پر پڑ کر اس کو دین کا عنوان دینے لگا۔

گلۂ جفائے وفانما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بُت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہُری ہَری

منافق کا مقصد نظر دنیوی مفاد ہوتا ہے اصول پسندی کو مفاد پرستی پر ترجیح نہیں دیتا اور اسلام پر عمل اپنی مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے کرتا ہے۔ دلیل کو شخصیت پر ترجیح نہیں دیتا، حق شناس دلیل کو لیتا ہے اور شخصیت کو اس کے مقابل نظر انداز کر دیتا ہے، دلیل اگر پیغمبر کی باتوں سے دی جاتی ہے تو اس کے جواب میں یوں کہتا ہے کہ ہمارے حضرت نے یوں فرمایا۔

اسلامی شریعت کے احکام کا تعلق مؤمن کے ظاہر اور باطن دونوں سے ہے: اسلامی شریعت کے احکام اوامر اور نواہی پر مشتمل ہیں۔ یعنی وہ امور جن کے کرنے کے اجازت دی اور نہ کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اوامر میں کچھ احکام کا تعلق انسان کے ظاہری قول اور عمل سے ہے۔ جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی اور اس خصوص میں جدو جہد وغیرہ۔ اب رہ گئے وہ احکام جن کا تعلق انسان کی نفسیاتی و قلبی کیفیت سے ہے۔ یہ ہیں اخلاص تواضع ، رضاء الٰہی ، قضا و قدر ، توکل ، قناعت، قومی اتحاد خود شناسی استقلال صبر وغیرہ۔ بالکل اسی طرح نواہی (شریعت نے منع کیا) کے معاملہ میں کچھ احکام کا تعلق ظاہری قول اور عمل سے ہے جیسے قتل ناحق ، چوری، زنا، غیبت چغلخوری، ظلم وزیادتی وغیرہ اور کچھ کا تعلق قلب و نفس کی گہرائیوں سے ہے جیسے جہالت ، نفس پرستی، خود غرضی ، تکبر ، ریاکاری کینہ غصہ ، نفرت، بخالت، باہمی نگہبانی، احساس برتری وغیرہ۔

کبھی بھی ظاہری اعمال کے اثرات باطنی کیفیات ہی کے بقدر مرتب ہوتے ہیں۔ ظاہری نیکیوں کی عند اللہ قبولیت کا دار ومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ دل کی صحیح کیفیت سے سرزد ہوں جیسے باطن میں اگر اخلاص کسی ظاہری نیکی کے پیچھے نہ ہو تو ایسی نیکی بندے کو اللہ سے قریب نہیں کر سکتی اس طرح وہ دل جس میں تکبر، حسد، نفس پرستی بھری ہوئی ہو تو ایسے جسم سے نکلنے والے اعمال بصورت نیکیاں، نیکیاں نہیں ہوتیں۔ صورتاً وہ نیکی ہو گی لیکن حقیقتاً وہ نیکی نہیں ہو گی اس طرف حدیث پاک ہے کہ إِنَّ اللہ لا يَنْظُرُ إِلى أَجْسامِكم، وَلا إِلى صُوَرِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وأَعْمَالِكُمْ. (بے شک اللہ تعالیٰ صرف تمہارے چہروں اور تمہارے جسموں کو نہیں دیکھے گا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھے گا اور پرکھے گا۔ اگر نفس پر شریفانہ اخلاق کا رنگ نہ چڑھے تو نیکی اور پارسائی کے جتنے لباس ہیں اُن سب کو اوڑھ لینے سے کچھ کام نہیں چلتا، اس لئے تزکیہ نفس کے بارے میں قرآن مجید میں تاکیدی حکم آیا ہے قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسْهَا (یقیناوہ شخص مراد کو پہونچا جس نے نفس کو پاک رکھا اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے گناہوں میں اس نفس کو دبا دیا) حدیث کا مفہوم یوں آتا ہے کہ جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا بدن ٹھیک اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارے بدن بگاڑ میں آجاتا ہے ۔ سن لو وہ ٹکڑا "دل" ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسانی زندگی کے ٹھیک ہونے کے لئے ظاہری اعمال کے ساتھ باطنی کیفیات کی موافقت ضروری ہے نفس کے تزکیہ اور قلب کی اصلاح کے بغیر نیکیوں کا رنگ انسان کی شخصیت اور مزاج پر نہیں پڑتا اور نہ وہ عند اللہ قبول ہوتا ہے ایک طرف قلبی کیفیات اور جذبات ہیں تو دوسری طرف ظاہری اعمال اور اقوال ہیں اگر ان دونوں

میں ایک خوبصورت توازن نہ ہو تو وہ اسلامی زندگی نہیں کہلاتی بلکہ منافقانہ زندگی کہلاتی ہے۔ خوبصورت توازن کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق اعمال کا عمل میں لانا ضروری ہے۔ آج کے مسلمان میں ان دونوں کا حسن اجتماع نہ ہونے سے آج کا مسلمان مُعزّز اور سر بلند نہیں ہے۔ دل حشوع و خضوع اور اخلاص سے خالی ہیں۔ جس کی وجہ سے ظاہر اور باطن میں توازن بگڑ گیا۔ ایسے مسلمانوں سے بھری ہوئی مسجد میں گونجتے ممبر، پکارتی زبانیں اور علوم دین کے ذخیرہ سے انہیں سر بلند نہیں کر سکتے، آج کا سب سے بڑا خطرہ نہ کوئی ملک کے اندرونی دشمن سے ہے اور نہ ملک کے بیرونی دشمن سے اور خوفناک ہتھیاروں سے ہے اور نہ سمندر کی وسعت والی غیر مسلم اکثریت سے ہے بلکہ آج کا خطرہ اور خطرناک دشمن خود ہمارا نفس ہے وہ نفس جو صحیح اسلامی طرز زندگی کی شاہ راہ پر عمل صالح کے ساتھ نہیں چل رہا ہے۔

آج مسلمان کی دو رنگی چو رنگی اور پنچرنگی اس کے اصلاح نفس کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ مسلمان جب اپنے نفس کا علاج کر لیتا ہے اور تہذیب نفس کا زیادہ حصّہ حاصل ہو جاتا ہے تو انسانیت، خود غرضی کی جگہ سچی اخوّت اور پر خلوص محبت، ظاہری تواضع کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس طرح خاکساری، تکبر اور احساس برتری کی جگہ لے لیتی ہے۔ بخالت کی جگہ سخاوت حرص و ہوس کی جگہ قومی فائدہ، دھوکہ کی جگہ اعتماد، جھوٹ کی جگہ صداقت لے لیتی ہے۔

مسلمانوں میں آج آپس میں جو ظاہری تعاون ہے اس کی ایک حد مقرر کر لی گئی ہے۔ وہ ہے اپنا مفاد اور جب یہ حد آجاتی ہے تو سوال اس کے پار کرنے کا آجاتا ہے عین اس وقت سب کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں اور ہر ایک عذر تراشی میں اپنا

کمال دکھاتا ہے ایسے حالات میں کامیابی سرفرازی اور قبولیت عند اللہ کس طرح ممکن ہے۔ جبکہ کامیابی کا سِرا اس علیم و خبیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر ایک کے باطن سے واقف ہے۔

دشمنی لاکھ سہی ختم نہ کیجئے رشتہ
دل ملے نہ ملے ہاتھ ملاتے رہتے

دنیاپرستی اور موت سے فراری: درود وسلام اُس ہستی پر جس نے اس بھیانک خطرہ سے بہت پہلے آگاہ فرمادیا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جب قومیں تم پر ٹوٹ پڑیں گی بالکل اس طرح جس طرح کہ بھوکے پیاسے کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس بات کو سنکر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین نے آپ سے دریافت فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اس زمانے میں ہم بہت تھوڑے ہو جائیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا نہیں تم اس دور میں بہت بڑی تعداد میں ہونگے۔ مگر بس سیلاب کے جھاگ کے مانند ہونگے۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رُعب (دبدبہ) تمہارے دشمنوں کے دلوں سے بالکل نکال دیگا اور تمہارے دلوں میں دھن ڈالدیگا اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ یہ دھن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے فرار۔

دنیا سے مراد روپیہ پیسہ ہی نہیں، زمین جائداد ہی نہیں، بلکہ وہ چیزیں جن کی آرزو نفس انسانی میں رکھی گئی ہے جیسے اعلی مقام، اونچی حیثیت، جاہ واقتدار، بڑائی، آرام وآسائش کی زندگی وغیرہ۔ ان سب کی آرزو اللہ تعالیٰ نے نفس میں رکھ کر ہم کو حکم دیا کہ تم ان آرزؤں پر غالب آجاؤ اِس کے لئے نفس سے مقابلہ کرو جو

اس مقابلہ میں شکست کھا جاتا ہے اور نفس اس پر غالب آ جاتا ہے تو اس کے نفس میں مہلک امراضِ روحانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے تکبر، ریا، حرص و ہوس، خود پسندی، کینہ، حسد، خود غرضی، آخرت کی فکر سے غفلت۔ اس لئے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں تمہارے بارے میں غریبی سے نہیں ڈرتا ہاں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی پچھلی قوموں کی طرح تم پر دنیا کھول دی جائے گی اور تم بھی انہیں کی طرح اس کی حرص میں لگ جاؤ گے اور وہ تم کو بھی ان کی طرح تباہ و برباد کر دیگی۔ یہ تباہی اس طرح آئیگی کہ دنیا پرستی اور نفس پرستی کے نتیجے میں قلوب میں روحانی امراض آ جائیں گے۔ جن کی وجہ سے مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ باہمی اعتماد بالکل اُٹھ جائے گا۔ افراد اور جماعتوں میں ایک دوسرے سے عداوت آ جائے گی۔ باہمی نفرت اور احساس برتری کی آگ سے وہ خود ہی ایک دوسرے کو جلا دیں گے۔ اور ان سب باتوں سے دشمن بھرپور فائدہ اٹھائے گا۔

تعریف کرنے والے کی ہر ایک کے نزدیک قیمت ہے اور تنقید کرنے والے کا یہ حال ہے کہ وہ ہر ایک کی نظر میں بے قیمت ہے۔ اپنے موافق بات کو سمجھنے کے لئے ہر آدمی تیار اور اپنے مخالف بات کو سمجھنے کے لئے ہر آدمی بے وقوف ہے۔ مفاد کی کسی سے وابستگی ہو تو آدمی بااخلاق بن جاتا ہے اور مفاد اُس سے وابستہ نہ ہو تو بے اخلاق، منافق کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ فائدہ پر نظر رکھتا ہے اگر یہ صفت رشتہ داروں، پڑوسی اور دوست احباب میں ہو تو حصول مفاد کی خاطر جھوٹی محبت، ہمدردی جتا کر قریب ہو جاتے ہیں۔ پھر آپ کے حالات سے واقف ہو جاتے ہیں،

پھر مصنوعی وفاداری جتا کر فائدہ اٹھاتے ہیں، بعد میں بغاوت اور سرکشی پر اُتر آتے ہیں۔ یہ منافقت ہے اور موقع پرستی ہے۔ اگر کسی سے فائدہ حاصل نہ ہو سکا تو اُس کی خوبیوں کو دفنا دیتے ہیں اور اُس کی خرابیوں کو اچھال دیتے ہیں۔ تقریر اور گفتگو کی سطح پر دیکھیں تو ہر آدمی ایک ہی سطح پر نظر آئے گا۔

آ رہی ہے چاہ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

☆☆☆

عجب سلگتی ہوئی لکڑیاں ہیں رشتہ دار
جدا ہوئے تو دھواں دیں ملے تو جلتے ہیں

معاشی مفادات یا اُخروی تقاضے : منافق معاشی مفادات کو اُخروی تقاضوں سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اُس کو اپنے ذوق کی تسکین اپنے مفادات کی تکمیل اور اپنی عادتوں پر عمل زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اس طرح ہر معاملہ میں وہ حق پرستی اور خدا کو اپنے توجہات کا مرکز بنانے کے بجائے مفاد پرستی اور بندوں کو اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کی دنیا کامیاب رہتی ہے۔

منافق معقولیت کو پسند نہیں کرتا، منافق انصاف کا معاملہ کرنے تیار نہیں ہوتا، جب تک کہ اُس کو اُس بات کا ڈر نہ ہو کہ انصاف نہ دینے پر اُس کا معاملہ بگڑ جائے گا۔ اگر کچھ بگڑنے والا نہیں ہے تو وہ دلیل کی معقولیت کو نظر انداز کر دیتا ہے اور ظلم و زیادتی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بس منافقت یہی ہے کہ آدمی کے نزدیک معقولیت یا دلیل کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ معقولیت کو وزن نہ دینا حق کو وزن نہ دینے

کے مترادف ہے۔ ایسے لوگ یوم قیامت اس بات کے مجرم قرار پائیں گے کہ انہوں نے خدا کو بے حقیقت سمجھا، انہوں نے خالق کائنات اور مالک کائنات کو بے حقیقت جانا، بے وزن جانا اور اللہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ کون اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے، کون خوف آخرت سے انصاف کو اپناتا ہے۔

منافق کا دین منفعت ہے، وہ ذاتی مفاد کے خاطر آپسی اختلافات، شکایات اور جھگڑوں کو بھول کر دوسروں سے جُڑ جاتا ہے لیکن اللہ کی خاطر سارے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر دوسروں سے جُڑ جانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ منافق کا دین مفاد اور منافق کی دنیا فریب کی دنیا ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذاتی منفعت کی سیاست کو قومی خدمت کی سیاست ظاہر کریگا۔ وہ اپنے گناہ کو نیکی کی سند دیگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منافق ایک ایسا خدا پالیا ہے جس سے ڈر نیکی قطعی ضرورت نہیں ہے اور ایک ایسا رسول ہاتھ آگیا ہے جو منافق کی بداعمالیوں کے باوجود آخرت کے میدان میں سفارشی بن جائے گا۔ منافق کو ایسی آخرت مل جانے کا یقین ہے جہاں جنت اُس کے لئے ہے اور وہ جنت کے لئے کو ایسی نمازیں حاصل ہو گئی ہیں جن کے ساتھ کِبر و حسد جمع ہیں۔ ایسے روزے جو جھوٹ غیبت اور دھوکہ ہی سے فاسد نہیں ہوتے اس کے پاس ایسے فضائل اور مسائل کا انبار ہے جو اس کی بے دینی کو دین کے خانہ میں ڈالتے ہیں۔ اس کو اسلامی دعوت کے ایسے نسخے مل گئے ہیں۔ جو اس کی قیادت اور قومی سیاست کو اسلام کا رنگ دیدیتے ہیں۔ ایسا منافق جب حج جیسے فریضہ دین کی ادائیگی کے لئے منٰی پہنچا۔ ۱۰ ذی الحجہ کا دن صبح کا وقت کے کنکریاں لیکر شیطان کی طرف پہلی کنکری پھینگا تو اس کو ایک آواز آئی کہ تم تو اپنے آدمی تھے تم کو آخر کیا ہوا۔ منافق جو خدا سے نہ ڈرے، منافقت اللہ سے نڈر

ہو جانے کا سبب ہے اور اللہ سے ڈر ہی ایمان ہے۔ دنیا کی مخلوق میں ہر ذات ایک صفت سے متصف ہے، آگ جلانیکی صفت سے متصف ہے، اگر انسان آگ میں ہاتھ ڈالے تو جل جاتا ہے، موذی جانور میں حملہ کر نیکی صفت، لوہے میں سختی، لکڑی میں سختی یہ سب گویا کسی ذات میں کوئی ایک صفت ہے جو قابل پیشن گوئی ہے جس کے بھروسے اُس سے اُس مناسبت سے کام بھی لیا جاتا ہے، لیکن منافق ایک ایسی مخلوق ہے جس کا کوئی نہ اصول ہے اور نہ قاعدہ۔ اس لئے کہ وہ خدا سے نہیں ڈرتا ایسا آدمی جو چاہے کر سکتا ہے اس لئے شیخ سعدیؒ نے فرمایا کہ "میں خدا سے ڈرتا ہوں اور خدا کے بعد اس شخص سے ڈرتا ہوں جو اللہ سے نہیں ڈرتا۔"

اللہ نے انسان کو احسن تقویم کے ساتھ پیدا کیا اور وہ اشرف کہلایا لیکن اپنی نادانی اور بے قاعدگی سے حیوانات سے بھی گر جاتا ہے۔ اس کے الفاظ بے قیمت ہوتے ہیں کیونکہ اُن کے پیچھے اٹل ارادہ کی ضمانت نہیں ہوتی۔ عمل الفاظ کی قیمت ہے۔ اُس کو وہ ادا نہیں کرتا۔ اِس لئے اِس کے الفاظ ایسے بے قیمت ہو جاتے ہیں جیسے کوڑا کرکٹ میں پڑے ہوئے کاغذ ایک نوٹ کے مقابل ہوتے ہیں۔

منافق کی خوش اخلاقی کے مظاہرے مفاد پرستی پر مبنی ہوتے ہیں۔ خواہ ہدیے ہوں یا تحائف ہوں یا تقاریب کا اہتمام ہو یا خوشی اور غم کے مواقع پر مبارک بادی اور ہمدردی کی صورتیں ہوں، کیونکہ اس کا محرک حصول نفع ہوتا ہے، جیسے ہی مقصد حاصل ہو جاتا ہے اس کی خوش اخلاقی، بد اخلاقی میں بدل جاتی ہے ایسی خوش اخلاقی اور انسانیت نما مظاہروں کی خدا کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے۔ منافق دو سطحوں پر زندہ رہتا ہے ایک ظاہری سطح اور دوسری اندرونی سطح۔ ظاہری یا بیرونی سطح یہ ہے کہ عمدہ کپڑے، خوبصورت باتیں، انداز میں مٹھاس، آواز میں توازن، اتار چڑھاؤ،

شاہانہ فاخرانہ انداز، حسب و نسب کی حکایات پر مبنی گفتگو چنانچہ اس ظاہری سطح کے اثرات دوسروں پر رہتے ہیں۔ اُس وقت تک جب تک کہ اس سے واقعی کوئی معاملہ نہ پڑے یا لین دین کی منزل سے نہ گزرے اور جب اِن مرحلوں سے گزرتا ہے تو اس وقت صورت کی سرداری ختم ہو کر سیرت کی اندرونی سطح باہر نمایاں ہوتی ہے، یہی سطح اصل ہے جو خوبصورت ملبوسات کے نیچے تھی۔ اس میں روحانی گندگی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ ظاہر داری، خود غرضی، ابن الوقتی، موقع پرستی وغیرہ۔ یہی وہ سب چیزیں ہیں جو منافق کے خوبصورت جسم کے اندر چھپے رہتے ہیں۔ اسی لئے کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "مذہبی مظاہر اور مذہبی رسومات سے زیادہ انسانی قدریں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں" مذہب اسلام رسومات کے مجموعے کا نام نہیں ہے، لیکن شعور اور بے شعور مسلم مظاہر دین پر اپنی محنت لگا دیئے اور دیکھنے والے غیر مسلم اس کو حقیقت دین سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ ہر مظہر دین یعنی عمل دین کے پیچھے ایک مقصد اور ایک معنوی کیفیت مطلوب ہوتی ہے جو منشا والا ہی ہے، ہر عمل سے ایک حالت کا پیدا ہونا ضروری ہے اور ہر حالت سے ایک کیفیت۔ اگر عمل ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا اور عمل کے تقاضوں سے اور عمل کے نتائج سے غفلت برتی گئی تو زندگی کس طرح بامقصد ہو سکتی ہے۔ صورت سے معنی کے طرف آنا، ظاہر سے باطن سنورنا، دنیا سے آخرت سنوارنا، تخیلاتی اور تصّوراتی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں قدم رکھنا ضروری ہے۔ سجدہ حقیقت کے اعتبار سے خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے نہ کہ محض سر کو زمین بوس کر دینے کا نام ہے۔ مدینہ کے منافقین روزآنہ سجدے کرنے کے باوجود خدا کے نزدیک غیر ساجد ہی رہے۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سجدہ کو صورتاً ادا کرتے تھے اور جب اِن کی زندگی میں اِن کے خواہشات سے خدا کا کوئی حکم ٹکرا جاتا تو وہاں

وہ مقصد سجدہ سے دور ہو جاتے تھے۔ منافق وہ ہے جس کی مسجد کی زندگی اور غیر مسجد کی زندگی میں تضاد ہو۔ مسجد کے اندر اللہ کے حکم کا اقرار اور مسجد کے باہر انکار کا معاملہ کرے اس سے پتہ چلا کہ سجدہ دراصل رسمی جھکاؤ تھا، تقلید آبائی یا ماحول کی موافقت کے تحت تھا۔ خدا کے سامنے رسماً خدا والا بن جانا اور بندوں کے سامنے حقیقتاً بے خدا والا ہونا منافقت ہے۔

صدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چلتی
چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

منافقت اور یہودیت دونوں ایک ہی ہیں: مسلم اقوام میں جس بگاڑ کو منافقت کہتے ہیں اس کو امم سابقہ میں یہودیت کہا کرتے تھے۔ منافق کا مرض دین کا مرض ہے یعنی شک کا مرض اور ریا کا مرض، نفاق کی اصل جڑ یہی شک ہے۔ منافق دکھاوے کی بات کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خدا اُس کی دلی حالت سے باخبر نہیں ہے منافق بغض و حسد میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ اُس کو یقین ہے کہ اُس کا دینے والا اللہ نہیں ہے بلکہ آدمی کی محنت ہے یا صلاحیت ہے وہ اِس معاملہ میں شک میں ہے کہ نعمتوں کی تقسیم اللہ کی طرف سے ہے۔ اِس لئے منافق فاسقانہ کا ذبانہ اور مشرکانہ کام میں زندگی گزارتا ہے۔ کیونکہ اس کو مرنے کا یقین ضرور ہے لیکن دوبارہ زندگی اور دنیوی حساب و کتاب کا یقین نہیں ہے۔ اُمت محمدیہ کو یہودیت سے اُن کی سیرت سے پرہیز کرنے کے لئے قرآن کی ابتداء میں سورۃ البقرہ رکھ دیا گیا تاکہ اُمت اپنی صورت بنی اسرائیل کی طویل زندگی اور اُس کے نشیب و فراز کے آئینہ میں دیکھ لے اور احتیاط برتے۔ اُمت محمدیہ کی اصلاح کے بہت سے گوشے سورۃ البقرہ میں آتے ہیں۔

مؤمن، منافق اور مجرم کی نفسیات: مؤمن دور اندیش اور سنجیدہ ہوتا ہے۔ مجرم ابن الوقت اور مطلب براری میں عاجل ہوتا ہے، حال کو اہمیت دیتا ہے، مستقبل کی نہیں سوچتا۔ مؤمن آخرت رُخی ہوتا ہے اور مجرم دنیا رُخی، مؤمن آخرت پرست اور مجرم دنیاپرست، مؤمن دینداری کو روبہ نظر رکھتا ہے مجرم دین بیزار ہوتا ہے۔ چنانچہ مجرمانہ صفات پوری کی پوری ایک منافق میں ہوتی ہیں۔

دنیا کیا ہے؟ ایک غیر یکساں حالات کا نام ہے ہر لمحہ جہاں تغیرات ہیں انقلابات ہیں، مؤمن ایسی دنیا میں حالات کو نظر انداز کر کے احکامات پر عمل کرتا ہے، اس کی نظر میں حالات کی اہمیت سے زیادہ احکامات کی پیروی کی اہمیت ہوتی ہے۔ مؤمن حالات کو اللہ کی تخلیق سمجھتا ہے اور تخلیق بغیر حکم خالق کے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ حالات سے متاثر ہونا گویا مخلوق سے متاثر ہونا ہے، اگر خالق نہیں چاہے تو مخلوق سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً خواہش کا پورا ہونا ایک حالت ہے اور پورا نہ ہونا بھی ایک حالت ہے، پورا ہونے پر خوش ہونا اور پورا نہ ہونے پر مایوس ہونا، پھر خوشی سے اللہ کے قریب ہونا اور مایوس ہو کر اللہ سے دور ہونا یہ منافقت ہے۔ موافق حالات پر آپ سے باہر ہونا اور ناموافق حالات میں مقتضائے ایمان کو ترک کرنا منافقت ہے۔

مؤمن اور منافق کے نظریات مختلف: مؤمن اور منافق میں ہم خیالی نہیں ہو سکتی کیونکہ مؤمن کی زبان پر وہی ہوتا ہے جو دل میں ہوتا ہے اور منافق کا معاملہ برعکس۔ مؤمن ایک با اصول انسان ہوتا ہے اور منافق بے اصول، مؤمن گمنامی میں خوش رہتا ہے اور منافق نمایاں کر کے خوش رہتا ہے۔ منافق ہمیشہ مصنوعی باتیں کرتا ہے اور مؤمن سنجیدہ باتیں، مؤمن سچائی کو اور حق کو روبہ نظر رکھتا

ہے اور منافق اپنے مفاد کو روبہ نظر رکھتا ہے۔ فکر اور نظر کا یہ فرق جو اِن دونوں کے درمیان ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے دور رہنا ہی پسند کریں گے۔ قریب ہونا وحشت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مؤمن حالات سے بچنے کے لئے حالات کے اثرات سے اپنے نفس کو محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہتا ہے۔ مؤمن کے جذبات کی ترجمانی ذیل کے اشعار کرتے ہیں۔

میرے حالات مجھ کو چھو نہ پائیں
مجھے ہر حال میں انسان رکھنا

☆☆☆

مجھے بے نام یا گمنام کر دے
کہ اک آزار ہے پہچان رکھنا

منافق کے اوصاف مصنوعی اخلاقیات کے مظاہرہ کے متقاضی ہوتے ہیں۔ جن کے پیچھے ذاتی مفاد یا اپنی شہرت یا اپنی متکبرانہ نفسیات کے لئے غذا فراہم کرتا ہے۔ اس طرح منافق معروف اور مؤمن گمنام رہتا ہے، بقول شاعر کے مؤمن کے دل میں فقط ایک بات رہتی ہے۔ یعنی مجھ کو کیا علم ریا کے فن کا، مجھ سے سیکھو تو محبت سیکھو۔۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بہت سے پریشان حال، گرد آلود" دروازوں سے دھکیلے ہوئے لوگ ہیں، اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ اُن کی قسم کو پورا کریگا۔ اس حدیث پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ایک مؤمن اللہ کا بندہ ہوتے ہوئے انسانوں کے نزدیک نا مقبول بندہ کیوں بن جاتا ہے۔ اللہ کا محبوب، بندوں

کا ناپسندیدہ کیوں ہو جاتا ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔ عوام سے مصالحت نہ کرنا، عوامی ذوق کی مطابقت نہ کرنا۔ لوگوں کی پسند کو معیار بنا کر زندگی نہ گزارنا۔ بے آمیز حق کی بات کرنا، اپ سے جڑے رہنے میں عوام سے کٹ جانے کا خوف نہ رکھنا۔ غیر مقبولیت اور گمنامی کو پسند کرنا لیکن دکھاوا اور شہرت سے دور رہنا وغیرہ ان سارے حالات پر صبر سے ایک بندہ قابو پالیتا ہے تو اس کا درجہ اللہ کے پاس بلند ہو جاتا ہے کہ اگر وہ کسی کام کے ہونے پر اللہ کی قسم کھالے تو اُس اعتماد پر اللہ کو غیرت آتی ہے اور اللہ اس بندے کی قسم پوری کرتا ہے۔

منافق معرفت دین سے ناواقف ہوتا ہے: مذہب انسان کی زندگی کو جانور کی زندگی سے الگ کر دیتا ہے، جانور صرف ایک ہی بات کو جانتا ہے یعنی اپنا مفاد۔ اس طرح منافق بھی صرف ایک بات پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ گویا منافق بھی ایک انسان نما حیوان ہے کوئی بھی انسان حیوان سے نہیں لڑتا۔ اس طرح کوئی بھی مؤمن، منافق سے اعراض کرتا ہے اور اس کے معاملے کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے۔ منافق چونکہ گہرائی کے ساتھ سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے پاس دین کی معرفت نہیں ہوتی اس لئے وہ ہر دنیوی آزمائش کے ہر موقع پر سچے دین سے دور اور اپنے مفاد پرست دین سے قریب ہوتے جاتا ہے۔ مؤمن اصول کے لئے تڑپتا ہے تو منافق مفاد کے لئے تڑپتا ہے، اس کے پاس اصول پسندی اور اعلی کردار کا فقدان رہتا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نفاق کے خشوع (عاجزی) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو تَعَوَّذُو بِاللَّهِ مِنْ خُشُوعِ النِّفَاقِ۔ لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ نفاق کا خشوع

کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا بدن کا خشوع یعنی بدن سے عاجزی کرنا اور قلب کا نفاق باقی رہنا۔قَالَ خُشُوعُ الْبَدَنِ وَنِفَاقِ الْقَلْبِ

صنعتی دور کا نفاق : آج کے صنعتی دور میں ایسے شاندار منافقین کا ظہور ہوا ہے جو اس سے قبل نہیں تھا۔ اس دور میں ایمان اور اخلاق کی نمائش ہوتی ہے جہاں دور جدید کے پُر کشش اور پُر رونق اسباب اور وسائل ان مظاہروں کو مزید شاندار بنادیتے ہیں۔ ہر طرف مصنوعی اخلاق کا دور دورہ ہے۔ میکانیکل شیک ہائنڈ اور پلاسٹک اسمئیل ہر طرف ہے ان سب کے مقابل مخلصانہ اسلام پھیکا پڑ گیا ہے۔ نفس پروری عام ہے یعنی اپنے کو اعلی اور معزز خیال کرنا اور دوسروں کو کمتر خیال کرنا۔ دنیوی اعتبار سے اور سائنسی اعتبار سے تعلیم یافتہ مسلم طبقہ کا رابطہ اسلام سے کمزور پڑ گیا۔اسلام کے بارے میں مشکوک ہو گئے اور یہ اپنی طرف سے سمجھ لئے کہ اسلام موجودہ زندگی کے مزاج کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتا اور زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ لوگ تغیر پذیر اور ترقی یافتہ زمانے کا نام لیکر خدا کے دین پر عمل کرنے کو روایت پرستی اور قدامت پرستی اور دقیانوسیت سمجھ گئے۔

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش

صنعتی انقلاب اور سائنسی ترقی کے قبل کا زمانہ ایسا تھا کہ لوگ دین سیکھنے اور دین پر عمل کرنے کے لئے اپنا وقت مخلصانہ طریقہ پر فارغ کرتے تھے، اُس وقت لوگوں کی نظر میں دین کی اہمیت زیادہ تھی اور وقت کی اہمیت کم تھی۔ لیکن صنعتی انقلاب

کے بعد دین کی اہمیت گھٹ گئی اور وقت کی اہمیت بڑھ گئی۔ حقیقی بات تو یہ ہے کہ دین کا مقابلہ وقت سے نہیں ہے بلکہ دین کا مقابلہ اپنی دنیا طلب کی حرص اور دنیوی مشغولیت سے ہے، پہلے دنیا کی رنگینی کم تھی اور لوگ قناعت کا دامن تھامے ہوئے تھے۔ آج دنیا کی رنگینی بڑھ گئی لوگ پہلے تکمیل ضروریات پر قانع تھے، تعیشات سے دور تھے آج لوگ تعیشات کو ضروریات میں شامل کر لئے ہیں۔ لوگ پہلے مقصد زندگی پر نظر رکھتے تھے اور معیار زندگی کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آج مقصد زندگی کی جگہ معیار زندگی نے لے لی۔ معیار زندگی کے لئے حصول اسباب زندگی کی فکر لگ گئی اس کی محنتیں ہونے لگیں۔ صنعتی دوُر کے مسلم کے نظریات بھی بدلے وہ دنیا کی خوشحالی اور اسباب کی فراوانی کو انعام الٰہی اور دنیا کی بدحالی اور محرومی کو سزاء الٰہی یا عضاب الٰہی سمجھ بیٹھا۔ حالانکہ دونوں برائے آزمائش ہیں۔ دولتمند طبقہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور منظور نظر سمجھ رہا ہے اور مفلس کو دربار الٰہی کا ٹھکرایا ہوا سمجھ رہا ہے۔ چنانچہ عوام نے بھی معاشی وسعت کو عزت کا معیار بنالیا موجودہ ترقی یافتہ دنیا کی ترغیبات اس قدر خوشنما ہیں کہ ان سے الگ ہو کر دین کی طرف آنا مشکل ہو گیا ہے۔

ساماں کی محبّت میں مُضمَر ہے تن آسانی
مقصد ہے اگر منزل، غارت گرِ ساماں ہو

صنعتی امور اور ان کا انہاک زندگیاں چاہتا ہے جو لوگ ان میں منہمک ہیں وہ خود اپنی نجی زندگی کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ آج کا نفاق سب سے بڑھا ہوا نفاق ہے چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں تمہارے بارے میں سب سے زیادہ اس سے ڈرتا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر زمین کی برکتیں نکال دیے" پوچھا گیا کہ زمین کی برکتیں کیا ہیں۔ فرمایا دنیا کی رونق، مطلب یہ ہے کہ دنیا کی رونق اس لئے بڑھ جائے گی کہ زمین اپنے اندر چھپی ہوئی برکتیں باہر ظاہر کر دیگی۔ پھر اس کی چمک دمک سے تم دنیا کی طرف دوڑو گے تو فتنہ میں پڑ جاؤ گے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ صنعتی انقلاب کے بعد زمین کی پوشیدہ چیزیں استعمال میں آنے لگیں اور دنیا کی رونق میں اضافہ ہو گیا۔(اِنَّ اَكْثَرَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يُخْرِجُ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ قِيلَ وَمَا بَرَكَاتُ الْأَرْضِ قَالَ زَهْرَةُ الدُّنْيَا)

عصر حاضر کی روح ظاہر پرستی اور عشرت امروز ہے۔انسان ایک ایسی زمین پر ہے جو قیامت کی نفاق انگیز ہے، انسان اشرف ہوتے ہوئے اپنی اصلیت سے بیگانہ اپنے مقصد وجود سے ناآشنا ہے، اس کی پریشانیوں میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ یہ دنیا ایک ایسا غم خانہ ہے جس کی دوستی مثل اختلاط موج و ساحل ہے۔ انسان کا وجود روح ہی سے ہے اس دنیا میں انسان وجود کا قیدی ہے اور وقت کی قید میں ہے اس دنیا کی بے وطنی کو وطن سمجھ لیا اس سے محبت اس قدر ہو گئی کہ اس غم خانہ کو آرزوؤں اور شوق سے دیکھنے لگا وہ اسیر غریب نگاہ ہو گیا۔ وہ چشم غلط نگر کا مالک ہو گیا اس کا دل آرزوں کا فریب خوردہ ہو گیا، مجاز کو حقیقت سمجھنے لگا۔انسان جو مسجود ملائکہ اور محسود خلائق ہے جس کے لئے ناز زیبا تھا وہ نیاز مند ہو گیا، کائنات جس کی خادم تھی اور وہ اُس کا مخدوم تھا خود کائنات کا خادم ہو گیا۔

بزم ہستی کی دلکشی کی وجہ سے انسان عشرت امروز پر ایمان لایا۔ عشرت فردا یعنی موت کے بعد نصیب ہونے والی جنت پر پورا ایمان نہیں رکھ سکا۔ علم کی کمی، دور

اندیشی، سنجیدگی اور فکر صحیح کے فقدان کی وجہ سے ایک قسم کے فریب دنیا میں آکر دنیا کو خوشیوں کا گہوارہ سمجھ بیٹھا۔

بقدر پیمانہ تخیل سرور ہے ہر دل میں خوشی کا
اگر نہ ہو یہ فریب ہستی تو دم نکل جائے آدمی کا

دنیا دار الغرور ہے: دنیا کے خالق نے خود دنیا کو دھوکہ کا گھر کہدیا ہے چنانچہ احادیث سے واضح ہے کہ اُمت محمدیہ کا فتنہ دنیا ہے۔ اُمت میں خرابیاں دنیا کی وجہ سے ہی ہیں۔ دنیا اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے وہ بندوں کو اللہ کی راہ پر چلنے نہیں دیتی۔ دنیا اللہ والوں کی دشمن ہے کیونکہ اللہ کے راستے پر آنے کے لئے کافی صبر کرنا ہے، کافی مجاہدہ درکار ہے، دنیا کی خوشحالی اللہ کی راہ میں مزید رکاوٹ ہے۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ فتنوں کے سبزے کو اگانے کے لئے دولت بہترین کھاد ہے، چنانچہ جہاد بالسیف سے جہاد بالمال بہتر ہے اور سخت تر ہے۔ کسی نے حضرت جعفر صادقؓ سے پوچھا کہ حضرت! درویش صابر فاضل تر ہے یا تونگر، آپ نے فرمایا تونگر کا دل تجوری میں اٹکا رہتا ہے اور درویش کا دل اللہ میں۔ مال ہو یا دولت ہو یہ دراصل دنیا کے قائم مقام ہیں، کیونکہ دنیا کا حصول مال ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ مال و اسباب دنیا کی قیمت کا نام ہے۔ جس طرح مور کا حسن اس کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے انسان کا خوبصورت ہونا بھی بذریعہ تکبر ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس طرح دنیا کی خوبصورتی سے مغلوب ہونے والا بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔ دنیا کو خوبصورت بنادیا تو اہل دنیا میں بگاڑ آ گیا۔ ہر گناہ کا سبب باہ یا جاہ ہوتا ہے، گناہ باہی خواہش نفس سے مغلوبیت کا سبب ہے۔ گناہ جاہی حب جاہ کی وجہ سے۔ انسان میں تکبر آجاتا ہے تو دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے ایسا شخص ندامت اور توبہ سے محروم

رہتا ہے اس لئے گناہ باہی بہتر ہے گناہ جاہی سے کیونکہ گناہ باہی میں توبہ اور ندامت کی طرف رغبت ، پھر توفیق الاہی بھی ہوتی ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ اور بندے کے درمیان چار دریا ہیں ، جب تک بندہ ان کو پار نہ کرے ، وہاں تک پہنچ نہ ہو گی۔

(۱) دنیا (۲) دنیا کے لوگ (۳) ابلیس (۴) خواہشات نفس۔

دنیا سے پار نکلنا ہے تو زہد کو اختیار کرنا ہے۔ دنیا کے لوگوں سے بچنا ہے تو کنارہ کشی اختیار کرنا ہے۔ ابلیس سے بچنا ہے تو ابلیس کی دشمنی پر قائم رہنا ہے۔ خواہشات نفس سے پار ہونا ہے تو مخالفت نفس پر کھڑے ہونا ہے۔

دل کی بیماری کیا ہے ؟ دنیا کا شوق ، دنیا کی چیزوں کا شوق ، دنیاداروں سے محبت ، ان سب کا شوق اگر معرفت الٰہی پر غالب آجاتا ہے تو ایسا دل بیمار دل کہلاتا ہے اور اگر معرفت الٰہی ان سب پر غالب آگئی تو ایسا دل صحتمند دل کہلاتا ہے اور ایسا ہی دل مطلوب اور مقصود ہے۔

آج کل دولت کمانا اور اپنی اولاد کو دنیوی تعلیم سے سنوار نا مقصد زندگی ہو گیا ہے۔ یہ دین سے ہٹی ہوئی سوچ ہے۔ دولت زندگی کا ذریعہ ہے اور ذریعہ کی ایک حد ہوتی ہے اور دنیوی تعلیم بیدارگی شعور کا ذریعہ ہے نہ کہ رضاء الٰہی کا ذریعہ۔ دولتمند اپنی خوشحالی کو اللہ کی رضامندی کی دلیل سمجھتا ہے اور اپنی شخصیت کا اندازہ ، حقیقت حال سے زیادہ رکھتا ہے ، زبان سے حق پرستی کی بات کرتا ہے اور دل سے مفاد پرستی پر قائم رہتا ہے۔ مسلمانوں سے محبت کرتا ہے لیکن اسلامی وضع قطع سے نفرت کرتا ہے۔ اپنی زندگی کے بہار کے دن رات دنیا کمانے میں لگاتا ہے

آخری عمر میں دین کی طرف رسماً مائل ہوتا ہے۔ دولتمند اسلام کو پسند کرتا ہے لیکن اسلامی معاشرہ تہذیب و تمدن کو پسند نہیں کرتا، دل سے مغربی تہذیب کو پسند کرتا ہے۔ بدعت کو سنت سمجھتا ہے اور عبادات کو عادت کے طور پر کرتا ہے۔ شر نفس کو شر شیطان سے کم سمجھتا ہے۔ اللہ سے خوف کم۔ اپنے علم و عمل کو شفاعت اور وسیلوں کے حوالے کر دیتا ہے اور انہیں پر بھروسہ کرتا ہے۔ عالموں سے زیادہ عاملوں سے قریب رہتا ہے۔ چھوٹے معیار زندگی کو سادہ زندگی کو اور سادہ غذا کو نفرت سے دیکھتا ہے۔ بہر حال چند ذاتی تصورات کے مجموعہ کو دولتمند آدمی دین سمجھتا ہے۔ اس کا ایمان یہ ہے کہ دین کا عمل سے محنت سے زیادہ تعلق نہیں ہے بلکہ چند عقائد پر حسب منشاء بشرط فرصت عمل کر لیں تو کافی ہے۔

(۱) حدیث : اللہ تعالیٰ تنگ دست پارسا کو دوست رکھتا ہے۔

(۲) حدیث : میرے دو پیشے ہیں جس نے ان دونوں کو پسند کیا اس نے مجھے پسند کیا (۱) فقیری (۲) جہاد

(۳) حدیث : بہشت میں کثرت سے مجھے درویش اور فقیر نظر آئے اور دوزخ میں تونگر اور امیر۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف وجملہ معاونین و اہل وعیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کا یقین، عقل سلیم اور فکر مستقیم عطا فرمائے۔

مؤلف

قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔کام (عثمانیہ)

ڈی۔یف۔ی۔ ناگپور کالج

مؤلف کتاب "اصلاحی تحفہ" خادم تدریس القرآن

باہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی